فلاحی معاشرہ کے لئے سماجی بصیرت کی ضرورت واہمیت

سیرت النبی ﷺ کا ایک مطالعہ

Need and Significance of Social Insightedness for a Welfare Society in the Light of Sīrat Al-Nabi (SAW)

سعید الرحمن*

In religious literature foresightedness, deep understanding, sanity and similar words reflect the fact that Islam doesn't encompass shallow way of thinking instead deep understanding has been acknowledged as endless bliss by the Holy Quran .

The Holy Sīrah of Allah's messenger reflects deep understanding, consciousness and full awareness. The Holy Quran addresses the Holy Prophet as a teacher of mankind. He (SAW) observed practical obligations towards the society. He also comprehended reformative changes. He chalked out a considerable and rational policy and strategy for revolutionary changes. By this way he laid a foundation stone for a welfare society which ultimately established a system with healthy traditions. The non-Islamic social system was reformed. The activities of livelihood and earning-bread were also Islamized. He (SAW) also introduced a calculated system of physical and spiritual purification. He also falsified and nullified all obnoxious factors and forces which might be harmful and dangerous for a pure Islamic society. He developed and nourished the abilities of positive thinking. He also brought into existence the proper utilization of limited resources to reap maximum benefits. He incorporated and inculcated the respect and dignity for human rights. This research throws light upon the themes and ideas of Sīrat Al-Nabi in this regard.

دینی لغت میں بصیرت، حکمت اور فراست جیسے الفاظ اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ دین اسلام سطحی، ظاہری اور نمائشی انداز فکر نہیں رکھتا بلکہ وہ اپنی تعلیمات میں روشنی، دوررسی، گہرائی، وسعت فکری اور پائیدار نتائج پر نظر رکھنے کی ہدایت سے مالامال ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں حکمت کو خیر کثیر (بہت زیادہ بھلائی)

* پروفیسر موسیٰ پاک شہید چیئر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

سے تعبیر کیا گیا ہے۔[1] حکمت کے مفہوم میں علم و عقل کے ذریعہ درست اور سچی بات تک پہنچنا، ہر شئ کو اس کے مناسب موقع و محل میں رکھنے کی صلاحیت، عقلی رہنمائی اور قلبی بصیرت، برائیوں کی درست نشاندہی کے بعد اس کے علاج کی صحیح تدابیر جیسے امور شامل ہیں۔ ابن قیم الجوزیہ کہتے ہیں: "بصیرت، دل کی زمین میں سچی معاملہ فہمی پیدا کرتی ہے، یہ ایک نور کا نام ہے جو اللہ دل میں ڈالتا ہے جس کے ذریعہ حق و باطل اور سچے و جھوٹے کے درمیان فرق کیا جا سکے۔"[2] اس ضمن میں ابن قیم رضی اللہ عنہ نے ایک آیت سے بھی استدلال کیا ہے ﴿إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ﴾[3] کہ معروف تابعی مفسر مجاہد بن جبیر نے اس کا مفہوم یوں بیان کیا ہے کہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو فراست والے ہیں۔[4]

قرآن حکیم میں صاحب اختیار کے لئے جسم اور علم میں صاحب "بسطہ" ہونے کی مطلوبہ صفات کا ذکر کیا گیا ہے کہ جسمانی صلاحیت کے ساتھ ساتھ اس میں کام و مقام کی مناسبت سے ذہانت و فراست اور فہم و تدبر کی استعداد ہو۔[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ، بصیرت و حکمت اور شعور و فراست کی بھرپور عکاسی کرتی ہے اور آپ دیگر امور حیات کی طرح ان امور میں بھی اسوہ حسنہ کی لازوال حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن حکیم میں آپ کو معلم حکمت قرار دیا گیا ہے۔ آپ نے اپنے موجود سماج کا گہرا عملی مطالعہ کیا، معاشرتی تشکیل نو کے لئے دستیاب مواقع سے استفادہ کی حکمت عملی واضح کی، ان مواقع میں توسیع کے طریقے دریافت کئے اور متبادل مواقع تلاش کئے۔ یوں

۱۔ سورۃ البقرۃ: ۲۶۹۔

۲۔ محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیہ (۷۵۱ھ)، مدارج السالکین بین منازل ایاک نعبد وایاک نستعین (تحقیق: محمد المعتصم باللہ البغدادی)، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۱۶ھ، ج۱، ص۱۴۸۔

۳۔ سورۃ الحجر: ۷۵۔

۴۔ مجاہد بن جبیر التابعی (۱۰۴ھ)، تفسیر القرآن (تحقیق: دکتور محمد عبد السلام)، دار الفکر الاسلامی الحدیثۃ، مصر ۱۹۸۹م، ج۱، ص۴۱۷؛ علاء الدین علی بن محمد الخازن (۷۴۱ھ)، لباب التاویل فی معانی التنزیل (تحقیق: محمد علی شاہین)، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۵ھ۔

۵۔ ملاحظہ ہو: محمد تقی امینی، قیادت کی خصوصیات، شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن، ملتان، ص ۸۔

ایک فلاحی معاشرہ کی تاسیس فرمائی جس میں کثیر القبائلی معاشرہ کو پر امن بقاء باہمی کے ماحول سے روشناس کرایا، جہالت زدہ معاشرہ کو علم و حکمت سے آراستہ کیا، حصول رزق حلال کو دینی فریضہ قرار دے کر معاشی سرگرمیوں کی اہمیت اجاگر کی اور حفظان صحت کے لئے جسم، لباس اور ماحول کی پاکیزگی پر مشتمل جامع نظام طہارت متعارف کرایا، نیز سماجی تشکیل میں دراندازی کرنے والے داخلی عناصر کو اپنی سماجی بصیرت کے ذریعہ غیر مؤثر بنایا۔ انسانی صلاحیتوں اور ان کی نفسیات سے آگہی کی بنیاد پر درست مواقع پر درست افراد کے انتخاب میں عملی فراست سے کام لیا، معاشرہ میں سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا۔ محدود وسائل کے متنوع استعمال کی حکمت عملی سے روشناس کرایا اور انسانی حقوق کے احترام کا شعور انسانی ذہنوں میں راسخ کیا۔

(۱) رسول اللہ ﷺ آغاز وحی کے بعد بعثت کے عظیم الشان کام کی اہمیت کے پیش نظر دعوت دین (جس کے نتیجہ میں فلاحی معاشرہ کی تشکیل ناگزیر تھی) کے لئے اپنی سماجی بصیرت کو کام میں لائے اور اس حوالہ سے اپنے بااعتماد حلقہ کو مخاطب کیا تاکہ اس کو ہمنوا بنا کر اگلا قدم اٹھایا جائے کہ پہلے مرحلہ کی صورت گری کے بعد ہی اگلے مرحلہ تک رسائی، دنیا کے نظام اسباب کا تقاضہ قرار پاتا ہے اور اس کو نظر انداز کر کے کسی بھی عمومی اقدام سے فساد معاشرہ کے باعث مقتدر عناصر کو طوفان بدتمیزی کے ذریعہ تعمیر معاشرہ کے مشن کو سبوتاژ کرنے کا ساز گار موقع فراہم ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر آپ نے تین سال اپنے پیغام کو مؤثر طریقہ سے اپنے قریبی حلقہ میں منتقل کر کے اس کو اپنا دست و بازو بنایا،[۱] یوں دستیاب موقع سے آپ نے حکیمانہ استفادہ کیا۔ اس سے اس امر کی رہنمائی واضح ہے کہ معاشرہ کو فلاحی بنانے کے طریق کار میں سماجی ساخت کی نوعیت کو ملحوظ رکھ کر حکمت عملی وضع کرنا ہی درحقیقت سماجی بصیرت کا تقاضہ ہوتا ہے۔ جب آپ ﷺ نے اپنے قریبی حلقہ میں سے بااعتماد افراد کو مکمل طور پر ہمنوا بنانے کے بعد علانیہ دعوت دین کا آغاز کیا تو آپ کو مکہ کے غالب نظام کی طرف سے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، جس کے جواب میں آپ نے بلاکسی مداہنت کے صبر وضبط کی سماجی حکمت عملی اختیار کی جس کا حکم آپ کو اس آیت مبارکہ میں دیا گیا: ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ﴾[۲]

۱۔ ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی (۱۴۳۰ء)، **فقہ السیرۃ النبویہ** (ترجمہ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی)، نشریات لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۳۱۔

۲۔ سورۃ الحجر: ۹۴۔

کہ اللہ کے دیے گئے حکم کا برملا اظہار و ابلاغ اس طور کیا جائے کہ اس کے رد عمل میں ہونے والے اشتعال انگیز اقدامات میں الجھنے کی بجائے اعراض اور نظر انداز کرنے کی حکمت عملی اختیار کی جائے۔

(۲) رسول اللہ ﷺ نے مخالفین کے جبر و تشدد کے مقابلہ کے لئے عدم تشدد کی پالیسی اختیار کی اور سماج میں مسلّم طریقوں کو استعمال کیا۔ عربوں کے ہاں جوار، ولاء اور حلف جیسے معاہدوں کو سماجی پذیرائی حاصل تھی،[1] جن میں منسلک ہونے والے افراد اپنے عقائد و خیالات سے قطع نظر امن کے مستحق ہوتے تھے، اس لئے جو نو مسلم اپنے قبیلے یا علاقے میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی وجہ سے انتہائی جسمانی و ذہنی دباؤ میں ہوتے ان کو مذکورہ مسلّم طریق ہائے سکونت میں کسی ایک کے ذریعہ اس دباؤ سے حفاظت مہیا کی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے قریب ترین صحابہ کرام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی نظام وقت کے جبر کے مقابلہ کے لئے ان سماجی معاہدوں سے استفادہ کیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا جناب ابو طالب کی وفات کے بعد بنو نوفل کے سردار مطعم بن عدی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے احابیش کے سردار مالک بن الدغنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عاص بن وائل سہمی کے جوار سے منسلک ہو کر اپنی سماجی بصیرت کا مظاہرہ کیا۔[2]

۱۔ دو مختلف قبائل باہمی معاہدہ کے تحت جب یکجا سماجی زندگی اختیار کرتے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک قبیلہ کی مانند ہو جاتے تو اس کو حلف کہا جاتا ہے، اور جب کوئی فرد کسی قبیلہ کی پناہ میں میں آجاتا اور قبیلہ اس کی پشت پر کھڑا ہو جاتا، اس کو "جوار" سے تعبیر کیا جاتا تھا اور اگر وہ شخص مستقل اس قبیلہ کا حصہ بن جاتا اور اس کی نسبت اختیار کر لیتا تو اسے "ولاء" کہا جاتا ہے (عمر فروخ، **تاریخ الجاهلیة**، دار العلم للملایین، بیروت، ۱۹۲۴ء، ص ۱۵۰)۔

۲۔ عبد الرحمن بن عبد اللہ السہیلی (۵۷۱ھ)، **الروض الانف فی شرح السیرة النبویة لابن هشام** (تحقیق: عمر عبد السلام السلامی) دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۱ھ، ج ۳، ص ۲۲۴-۲۲۵؛ عبد الملک ابن ہشام (۲۱۳ھ)، **السیرة النبویة** (تحقیق: مصطفی السقا وغیرہ)، مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی مصر ۱۳۷۵ھ، ج ۱، ص ۳۷۲؛ بدر الدین محمود بن احمد العینی (۸۵۵ھ)، **عمدة القاری شرح صحیح البخاری**، باب اسلام عمر بن خطاب، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ج ۱۷، ص ۴۔

(۳) رسول اللہ ﷺ نے اپنی سماجی بصیرت کے ذریعہ دستیاب مواقع میں توسیع کو بھی پیش نظر رکھا۔ چنانچہ بیرون مکہ سے جو حضرات مکہ آکر اسلام قبول کرتے تو آپ ان کو ضروری تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنے کے بعد مکہ میں ٹھہرانے کی بجائے ان کو اپنے قبائل میں جاکر دینی دعوت کی اشاعت کے لئے مامور کرتے تاکہ مکہ کے گردو پیش میں ایک ایسا سماجی ماحول تشکیل پاجائے کہ مستقبل میں تشکیل پانے والے فلاحی معاشرہ کے لئے مدد و معاون ثابت ہو۔ چنانچہ غفار و اسلم کے قبائل حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ذریعہ، اشعری قبیلہ حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے ذریعہ اور اسی طرح دیگر کئی قبائل اس وقت کی تشکیل پانے والی امت مسلمہ کے لئے اثاثہ ثابت ہوئے۔[۱]

(۴) سماجی بصیرت کا تقاضا ہوتا ہے کہ فلاحی معاشرہ کے قیام کے لئے محض موجود مواقع پر ہی انحصار نہ کیا جائے بلکہ متبادل مواقع بھی تلاش کئے جائیں۔ اسی سبب رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں ہونے والی مزاحمت اور اس کے نتیجہ میں ہونے والے جبر و تشدد کے جواب کے لئے محض مکہ کے سماجی ڈھانچہ میں موجود مواقع کو استعمال نہیں کیا بلکہ آپ نے دیگر علاقوں کے سماجی ماحولیات کے سازگار ہونے کا بھی جائزہ لیا تو آپ نے حبشہ کے نظام کو اس حوالہ سے موزوں تصور کیا کہ وہاں کا بادشاہ (نجاشی)، سماجی معاملات میں انصاف پیشہ ہے۔ جب کہ مکہ کے لوگ تجارتی نقطۂ نظر سے بھی حبشہ کو نفع بخش منڈی تصور کرتے تھے اور وہاں کے امن و امان کی صورتحال بھی حکومت وقت کے قابو میں تھی۔ یوں ہجرت حبشہ کے ذریعہ مسلمانوں کو ایک بہتر ماحول مہیا ہوا۔ جس سے مستقبل میں تشکیل پانے والے اسلامی تمدن اور حبشہ کے نظام کے مابین قریبی تعلقات کی اساس بھی مہیا ہوئی۔ چنانچہ نجاشی حبشہ، اصحمہ نے اسلام قبول کیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان کے عقد نکاح کا اہتمام کیا اور اپنی طرف سے آپ کا مہر چار سو دینار بھی ادا کیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کی وفات کے بعد مدینہ منورہ میں غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔[۲]

۱۔ مسلم بن الحجاج النیشاپوری (۲۶۱ھ)، **الجامع الصحیح**، باب من فضائل ابی ذر، رقم الحدیث ۶۳۴۷؛ محمد ابن سعد (۲۳۰ھ)، **الطبقات الکبری** (تحقیق: احسان عباس)، دار صادر بیروت ۱۹۶۸ء، ج۶، ص۱۶۔

۲۔ ابن سعد، **الطبقات الکبری** (تحقیق محمد عبد القادر عطاء)، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۰ھ، ج۱، ص ۱۶۲۔

رسول اللہ ﷺ نے محض مذکورہ سماجی حکمت عملی پر انحصار نہیں کیا، بلکہ آپ ﷺ کی دوررس بصیرت نے موسم حج کو موزوں وقت تصور کیا جس میں بیرون مکہ سے مختلف قبائل اور علاقہ جات کے لوگ حج کی عبادت کی انجام دہی کے لئے آتے تھے، آپ ﷺ نے نبوت کے گیارہویں سال سے لے کر تیرہویں سال تک ہر سال اس کثیر القبائلی سماجی ماحول سے براہ راست رابطہ پیدا کیا، اور نہایت عمدہ سماجی بصیرت کو کام میں لاتے ہوئے سن ۱۲ نبوی میں یثرب سے آنے والوں سے فلاحی معاشرہ کے بنیادی خدوخال استوار کرنے کا معاہدہ کیا جو تاریخ میں بیعت عقبہ اولیٰ کہلاتا ہے، اس معاہدہ کا مقصد ایک پاکیزہ فلاحی معاشرہ کے قیام کے لئے نظریاتی وسماجی تقاضوں کی تکمیل تھی۔ جن کی تفصیل یوں ہے کہ (۱) ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ (۲) ہم چوری نہیں کریں گے۔ (۳) ہم زنا کا ارتکاب نہیں کریں گے۔ (۴) ہم اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ (۵) ہم کسی پر کوئی بہتان نہیں باندھیں گے۔ (۶) ہم کسی امر معروف میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ اسی معاہدہ کے بعد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو یثرب میں فلاحی معاشرہ کی تنظیم کے لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنا نمائندہ مقرر کیا جو نو مسلموں کے لئے معلم بھی تھے اور دیگر افراد کے لئے مبلغ بھی۔[1]

سن ۱۳ نبوی میں عقبہ اولیٰ کے اصحاب معاہدہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی کاوشوں سے ایک بڑا وفد موسم حج میں رسول اللہ ﷺ سے براہ راست ملاقات کے لئے آیا جو اس امر کی علامت تھا کہ اب یثرب کے حالات اگلے دور میں جانے کے لئے سازگار ہو چکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر اس وفد کی سماجی ساخت کے مطابق ان میں بارہ نمائندوں کا تقرر کیا جو اپنے حلقے کے نہ صرف سربراہ ہوں گے بلکہ رسول اللہ ﷺ سے ہونے والے معاہدہ پر عمل درآمد کے بھی ذمہ دار ہوں گے، اس موقع پر ہونے والا معاہدہ بیعت عقبہ ثانیہ کہلاتا ہے۔ اس معاہدہ سے فلاحی معاشرہ کے مندرجہ ذیل نمایاں خدوخال سامنے آتے ہیں۔

۱۔ سیاسی نظم وضبط: ہر صورت میں نظم وضبط کا لحاظ رکھا جائے گا خواہ طبیعت آمادہ ہو یا کسل مند (السمع والطاعة فی النشاط والکسل)

۱۔ محمد بن اسماعیل البخاری (۲۵۶ھ)، **الجامع الصحیح**، کتاب مناقب الانصار، باب وفود الانصار الی النبی ﷺ بمکة۔

۲- معاشی وسائل میں عمومی شرکت: معاشی تنگدستی ہو یا خوشحالی، بہر صورت وسائل کو مفاد عامہ میں استعمال کیا جائے گا (النفقة فی العسر والیسر)

۳- سماج میں بھلائی کا فروغ اور بدی کا انسداد: (الامر بالمعروف والنہی عن المنکر)

۴- دفاع میں ممکنہ حد تک مستعدی کہ جب رسول اللہ ﷺ یثرب آئیں گے تو آپ کی بھرپور تائید اور اس طرح حفاظت کی جائے گی جیسے اہل یثرب اپنی جانوں، اپنے شریک حیات اور اپنی اولاد کی حفاظت کرتے ہیں (ان تنصرونی اذا قدمت علیکم یثرب الخ)[1] گویا یہ معاہدہ، یثرب میں تشکیل پذیر معاشرہ کے فلاحی اور ارتقائی پہلوؤں کی نشاندہی کرتا ہے، جس میں سیاسی، معاشی، معاشرتی اور دفاعی جیسے اہم شعبہ ہائے زندگی شامل ہیں۔

۵- رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر فلاحی معاشرہ کی سماجی قدریں تھیں، کیونکہ انسانی سماج کے عناصر کا باہمی تعلق اگر صحت مند خطوط پر استوار ہو تو وہ اپنی ترقی کی مادی بنیادوں کو بھی متوازن انداز میں بہتر طور پر آگے بڑھاتا ہے اور ان کو انسانیت کے حق میں استعمال کرتا ہے۔ چنانچہ فلاحی معاشرہ کی اٹھان باہمی بھائی چارہ کے اصول پر رکھی گئی۔ یہ اصول جہاں اپنی ایک نظریاتی اساس رکھتا ہے، وہاں اس کی سماجی پہچان بھی ہے۔ اس لئے مکی معاشرہ ہو یا مدنی سماج، دونوں میں "مواخات" کو ایک رہنما سماجی اصول کے طور پر اختیار کیا گیا۔ مکہ مکرمہ میں جہاں خاندانوں کے سماجی پس منظر کو ملحوظ رکھ کر مواخات کے اصول کی تشکیل کی گئی، جیسے حضرات شیخین ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مابین مواخات، حضرت عثمان غنی اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کے مابین مواخات وغیرہ[2] اسی طرح سماج کے کمزور طبقات سے تعلق رکھنے والوں کو معاشرہ کے سربرآوردہ افراد کے ساتھ مواخات میں منسلک کرکے ایک نئے سماج کے خدوخال کی نقاب کشائی کی گئی مثلاً حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت زید

۱- ابنِ حجر احمد بن علی العسقلانی(۸۵۲ھ)، فتح الباری شرح صحیح بخاری، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۷۹ھ، ج ۷، ص ۲۲۲ وما بعد۔

۲- ڈاکٹر محمد یسین مظہر صدیقی، مکی اسوہ نبوی، اسلامک ریسرچ اکیڈمی، کراچی، ۲۰۱۰ء، ص ۱۴۸۔

بن حارثہ رضی اللہ عنہما نیز حضرت عبیدہ بن حارث ہاشمی اور حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہما کے مابین مواخات نے اس دور کی طبقاتی سوچ کو سخت زک پہنچائی جو ہمیشہ فلاحی معاشرہ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تصور ہوتی ہے، بعد ازیں جب رسول اللہ ﷺ مدینہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو یہاں مکی و مدنی صحابہ کے درمیان مواخات کے سماجی معاہدہ سے یثرب کے تمدن کو ارتقاء بخشا جس نے فلاحی معاشرہ کو وجود بخشا اور یوں تجارتی وزرعی پس منظر رکھنے والے افراد نے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک خود انحصار معیشت اور مضبوط سماج کی بنیاد رکھی جس میں دونوں فریقوں نے ایک دوسرے سے بڑھ کر اپنا کردار ادا کیا۔

٦۔ کسی بھی فلاحی معاشرہ کی سماجی بصیرت، اظہار رائے کی آزادی اور دوسرے کی رائے کے احترام سے پروان چڑھتی ہے کیونکہ اپنی رائے کے اظہار کے ساتھ ساتھ دوسرے کی رائے کی معقولیت کے سامنے اپنی ذاتی صوابدید سے دستبرداری کے جذبہ کے بغیر معاشرہ ترقی نہیں کرتا۔ یہی سبب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وحی الٰہی کے ماسوا دیگر تمام امور میں بامعنی مشاورت کو سماجی ارتقاء کا لازمی اصول بنا دیا، اور اس میں سماج کے تمام حلقوں کو بالاہتمام شریک کیا۔ غزوہ بدر کے موقع پر جب ابوسفیان کا تجارتی قافلہ مسلمانوں کی دسترس سے بچ نکلا اور اس کی بجائے قریش کے مسلح لشکر کی تیاری کی اطلاعات آئیں تو رسول اللہ ﷺ نے وسیع تر مشاورت کا اہتمام کیا۔ باوجودیکہ بیعت عقبہ ثانیہ کے تحت انصار مدینہ آپ کی معاونت و نصرت اور حمایت و مدافعت کے لئے کمربستہ تھے لیکن جب تک حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے نئی درپیش صورتحال میں انصار کی طرف سے دوٹوک حمایت کا اعلان نہیں کیا، آپ نے جنگ بدر کی حکمت عملی مرتب نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر مشاورت کے عمل کو کسی نے اختیار نہیں کیا اور اس مشاورت میں کتنی بار ایسے مواقع آئے کہ آپ نے اپنی رائے پر اپنے ساتھیوں کی رائے کو ترجیح دے کر ان کی فکری و تجزیاتی صلاحیتوں کو جلا بخشی اور ان میں اجتماعی سوچ کو پروان چڑھایا۔[1]

ا۔ غزوہ بدر کے موقع پر حبابؓ بن منذر کی رائے کو، غزوہ احد کے موقع پر اور غزوہ خندق میں حضرت سعدؓ بن معاذ کی رائے کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی رائے کے برعکس قبول کیا۔ اسماعیل بن عمر ابنِ کثیر (۷۷۴ھ)، **البداية والنهاية** (تحقیق: علی شیری)، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۸ھ، ج ۳، ص ۳۲۶-۳۲۷؛ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی (۷۴۸ھ)، تاريخ الاسلام ووفيات المشاهير، الاعلام، المكتبة التوفيقية، ج۲، ص ۱۶۲۔

۷۔ کسی بھی معاشرہ کے لئے درپیش سب سے بڑا چیلنج اس کے داخلی استحکام کو برقرار رکھنا ہوتا ہے۔ فلاحی معاشرہ کا اس کے بغیر تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہاں موجود منفی سوچ رکھنے والوں کو مؤثر سماجی حکمت عملی کے ذریعہ غیر مؤثر کر کے ان کی سماجی ساکھ کو ختم کر دیا جائے تا کہ معاشرہ کا فلاح کی جانب ارتقائی سفر جاری رہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں منافقین کے گروہ کے بارے میں نہایت اعلیٰ درجہ کی سماجی بصیرت کام میں لائے اور عسکری طاقت استعمال کئے بغیر ان کو معاشرہ میں ناکام بنا دیا۔ سن ۵ ہجری میں غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر جب ایک انصاری اور مہاجر صحابی کے مابین مریسیع کے چشمہ پر تنازعہ ہوا اور قریب تھا کہ یہ تنازعہ گروہی جنگ میں تبدیل ہو جائے لیکن چند سمجھ دار افراد نے درمیان میں پڑ کر اس تنازعہ کو رفع دفع کرایا۔ مگر جب عبداللہ بن ابی کو خبر ہوئی تو اس نے شدید رد عمل کا اظہار کیا اور قریبی لوگوں کی موجودگی میں مہاجرین صحابہ کے بارہ میں بدزبانی کی اور یہ قسم کھائی کہ جب ہم مدینہ واپس ہوں گے تو وہاں کے معزز افراد (یعنی اس کا گروہ) ذلیل لوگوں (یعنی مہاجرین) کو نکال باہر کریں گے اور اتفاق سے یہ بات حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے سن لی اور رسول اللہ ﷺ کے علم میں لائے۔[1] جب اس موقع پر موجود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ان ناپاک ارادوں اور فساد انگیز عزائم کے سبب آپ عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو حکم دیں کہ وہ جا کر اس شخص کی گردن اڑا دیں تو آپ ﷺ نے اس کے سماجی طور پر منفی نتائج کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا (اے عمر! کیا تم پسند کرو گے کہ لوگوں میں یہ چرچا ہونے لگے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ نہیں (میں ایسا نہیں کروں گا))۔ پھر آپ نے اس موقع پر لشکر کے کوچ کرنے کا حکم دے دیا اگرچہ ایسے وقت میں آپ عموماً سفر نہیں کیا کرتے تھے۔ اور یہ سفر مسلسل شب و روز ہوا، حتیٰ کہ اگلے دن جا کر پڑاؤ کیا، جہاں پہنچتے ہی لوگ سفر کی تکان کے سبب نیند کی آغوش میں چلے گئے۔ آپ ﷺ کی اس حکمت عملی کا مقصد یہ تھا کہ عبداللہ بن ابی کی گفتگو موضوع بحث نہ بنے۔ اسی دوران سورۃ المنافقون کا نزول ہوا جس سے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی اطلاع کی تصدیق بھی ہو گئی۔ مدینہ پہنچ کر عبداللہ بن ابی کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جو ایک مخلص صحابی تھے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر آپ ﷺ میرے باپ کو سزائے موت دینے کا ارادہ رکھتے

۱۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، سورۃ المنافقون، ج ۴، ص ۱۸۶۳، رقم الحدیث ۴۶۲۴۔

ہیں تو یہ موقع مجھے ہی دیں، کسی اور کو حکم دینے کی صورت میں اندیشہ ہے کہ کہیں غیرت میں آکر اپنے باپ کے مسلمان قاتل کو قتل کرنے کا جرم کر کے جہنم کا مستحق نہ بن جاؤں، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں ہم ایسا نہیں کریں گے، بلکہ وہ جب تک ہمارے درمیان ہے ہم اس کے ساتھ نرمی برتیں گے اور اچھا سلوک کریں گے۔ آپ ﷺ کی اس سماجی بصیرت پر مبنی حکمت عملی نے عبداللہ بن ابی کو معاشرتی طور پر تنہا کر کے رکھ دیا اور وہ اپنی سماجی ساکھ کھو بیٹھا، یوں آپ نے معاشرہ کو خانہ جنگی سے محفوظ رکھا۔ اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا (اے عمر! تمہارا کیا خیال ہے اگر میں اس دن اسے قتل کرنے کی اجازت دے دیتا جس دن تم نے مشورہ دیا تھا تو اس کے حمایتی طوفان کھڑا کر دیتے لیکن اگر آج میں اس کے قبیلہ کو بھی اسے قتل کرنے کا حکم دوں تو فوراً وہ اس کی تعمیل کریں گے)۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بخدا مجھ پر واضح ہو گیا کہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ میری رائے سے زیادہ بابرکت (مؤثر اور دوررس) تھا۔[1]

۸۔ سماجی بصیرت کا ایک اہم مظہر، معاشرہ میں مردم شناسی یعنی افراد کی صلاحیتوں کی درست جانکاری رکھنا ہوتا ہے تاکہ معاشرتی فلاح کیلئے درست موقع پر ان سے استفادہ کیا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے مشکل اور نامساعد حالات میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ عمر بن خطاب اور ابوجہل میں سے جو اسے محبوب ہو اس کے ذریعے اسلام کو تقویت عطا کرے۔[2] جس کے نتیجہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے مسلمانوں کے عزائم میں تازگی کی لہر دوڑ گئی اور ان کی سماجی تنظیم کو تقویت حاصل ہوئی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے سفر ہجرت میں اپنے ہمراہی کے طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا تو مکہ میں لوگوں سے امانت کے معاملات طے کرنے کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ذمہ داری سونپی۔[3] سن ۶ ہجری میں قریش سے گفت و شنید

۱۔ علی محمد الصلابی، السیرة النبویة، عرض وقائع وتحلیل احداث، المبحث السادس، غزوة بنی المصطلق، ج۳، ص۲۹۱۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو البوطی، فقه السیرة النبویه (مترجم)، ص۳۷۵ ومابعد۔

۲۔ محمد بن عیسی ابو عیسی الترمذی (۲۷۹ھ)، السنن (تحقیق: ابراہیم عطوة)، باب فی مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب، رقم الحدیث ۳۶۸۱۔

۳۔ ابن ہشام، السیرة النبویة، مطبعہ مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۹۳۶م، ج۲، ص۱۲۹۔

کے لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنے نمائندہ کے طور پر حدیبیہ سے مکہ روانہ کیا کہ اس وقت مکہ میں ابوسفیان کی حکومت تھی اور ان دونوں کا تعلق بنو امیہ سے تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ مکہ میں خون خرابہ نہ ہو، چنانچہ مر الظہران میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مع لشکر پڑاؤ ڈالا اور وہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کہنے پر ابوسفیان نے اسلام قبول کیا تو حضرت عباس نے عرض کیا کہ ابوسفیان ایسے آدمی ہیں جو فخر پسند کرتے ہیں، ان کے لئے باعث فخر چیز کا اعلان کر دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سماجی و سیاسی اثر و رسوخ کو مد نظر رکھتے ہوئے فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، اس کے لئے امان ہے۔ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اس کے لئے امان ہے۔ اور جو مسجد میں چلا جائے، اس کے لئے امان ہے۔ چنانچہ ابوسفیان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں داخل ہونے سے قبل پہنچ کر مذکورہ امان کے اعلان کر دیے جس کے نتیجہ میں مکہ شدید مزاحمت کے بغیر فتح ہو گیا اور بڑے خون خرابہ سے محفوظ رہا، بعد ازیں مختلف مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو مسلموں کی سماجی ساکھ کے مطابق ان کو دل کھول کر عطیات بھی دیے اور تالیف قلوب کا بھرپور اہتمام کر کے ان کو مسلم سماج میں ضم کر دیا۔[۱]

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد محرم سن ۷ ہجری میں مختلف حکمرانوں کی طرف خطوط ارسال کرنے کے لئے ان سفراء کا انتخاب کیا جو ان علاقوں کی زبانوں سے اچھی واقفیت رکھتے تھے، ان میں حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی (برائے ہرقل روم) حضرت عبد اللہ بن حذافہ سہمی (برائے کسریٰ فارس) حضرت عمرو بن امیہ ضمری (برائے نجاشی حبشہ) اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہ (برائے مقوقس مصر) رضی اللہ عنہم شامل تھے۔[۲]

۹۔ فلاحی معاشرہ کے قیام کے لئے محض درست اقدامات کافی نہیں ہوتے بلکہ درست موقع کا انتخاب بھی ضروری ہوتا ہے اور اگر اس کا لحاظ نہ رکھا جائے تو بسا اوقات اس سے مطلوبہ نتائج بر آمد نہیں ہوتے بلکہ دیگر منفی رخ جنم لیتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد غالب حیثیت میں ہونے کے باوجود اپنی رائے کے مطابق بیت اللہ کی بنیاد ابراہیمی پر از سر نو تعمیر نہیں کی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے

۱۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: البوطی، **فقه السيرة النبوية**، ص ۴۹۳، ۵۳۴۔

۲۔ البوطی، **فقه السيرةالنبويه**، ص ۴۲۶۔

فرمایا تمہاری قوم کے لوگوں کے کچھ وقت پہلے جاہلیت کا شکار رہنے کے سبب مجھے دیواروں (حطیم) کے بیت اللہ میں داخل کرنے اور اس کے دروازہ کو زمین کی سطح پر لانے میں یہ اندیشہ ہے کہ ان کے دل اسلام سے پلٹ جائیں گے۔[1] آپ کا یہ عمل اس امر کی رہنمائی کرتا ہے کہ معاشرہ کی فلاح میں درست وقت میں درست فیصلہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور یہی سماجی بصیرت اور معاشرتی حکمت کا تقاضا کہلاتا ہے اور اگر اس کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو اس سے فتنہ اور معاشرتی اضطراب جنم لینے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ عہد نبوی میں ایک مرتبہ ایک شخص نماز عشاء میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی طول قراءت کے سبب نماز باجماعت سے باہر نکل آیا اور اس نے اگلے دن جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ ہم دن بھر کاشتکاری کرنے والے ہیں اور رات کو معاذ رضی اللہ عنہ آکر سورۃ البقرۃ (قرآنِ حکیم کی طویل ترین سورت) کی قراءت کرتے ہیں جس کے ہم متحمل نہیں ہوتے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو قابل ملامت نہیں سمجھا بلکہ حضرت معاذؓ کو تنبیہ کی۔ اور پھر آپ نے سورۃ الشمس، سورۃ الضحیٰ جیسی سورتیں پڑھنے کا حکم دیا۔[2] نیز آپ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص تم میں سے نماز کی امامت کرائے تو اپنی نماز کو ہلکی رکھے کہ لوگوں میں بزرگ، کمزور اور مریض بھی ہوتے ہیں۔[3] درحقیقت انسانی سماج کی نفسیات سے واقفیت، معاشرتی رجحانات پر نظر اور الاھم فالاھم کا درست ادراک سماجی بصیرت کے وہ بنیادی عناصر ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاحی معاشرہ کے قیام کے لئے بروئے کار لائے۔

۱۰- فلاحی معاشرہ کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ اپنے محدود وسائل کو بہتر اور متنوع استعمال کے لئے اپنی سماجی بصیرت اور معاشی حکمت عملی کو بروئے کار لایا جائے۔ عہد نبوی میں ایک انصاری صحابی نے اپنی معاشی ضرورت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا سوال پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وقتی ضرورت پوری کرنے کی بجائے یہ دریافت کیا کہ اس کے گھر میں کوئی اثاثہ ہے تو اس نے اپنی انتہائی

۱- محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الحج، باب فضل مکة، رقم الحدیث ۹۶۱۔

۲- مسلم بن الحجاج القشیری، **الجامع الصحیح** (محمد نواز عبد الباقی)، باب القراءة فی العشاء، رقم الحدیث ۴۶۵۔

۳- البخاری، الجامع الصحیح، باب اذا صلی لنفسه فلیتول ما شاء، رقم الحدیث ۷۰۳۔

ضرورت کی دو بنیادی چیزوں کا ذکر کیا کہ ایک بچھونا ہے جس کا کچھ حصہ بچھاتے ہیں اور کچھ حصہ اوڑھتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس سے پانی پیتے ہیں۔ گویا اس کا اپنی معاشی ضرورت کے لئے تقاضا مکمل طور پر جواز رکھتا تھا مگر رسول اللہ ﷺ نے دونوں چیزیں منگوا کر ان کی مجلس میں نیلامی کرائی تو ایک صاحب نے ایک درہم میں دونوں کی خریداری کی پیش کش کی تو آپ نے حاضرین مجلس کو کئی بار متوجہ کیا کہ کوئی شخص اس سے زائد رقم دینے کے لئے تیار ہو تو ایک اور شخص ان اشیاء کو دو درہم میں لینے کے لئے تیار ہو گیا تو آپ نے اس سے دو درہم لے کر دونوں اشیاء اس کے حوالہ کر دیں اور یہ درہم اس انصاری صحابی کے حوالہ کئے اور ان کے استعمال کی منصوبہ بندی بھی بتائی کہ ایک درہم سے گھر کے کھانے پینے کا سامان لے لو اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خرید کر میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، آپ نے اپنے ہاتھ سے اس میں لکڑی کا ایک دستہ لگایا اور فرمایا جاؤ، اس سے لکڑی کاٹو اور فروخت کرو۔ پندرہ دنوں تک میرے سامنے نہ آنا، چنانچہ وہ شخص چلا گیا اور لکڑی کاٹ کر فروخت کرنے کا کام کرتا رہا۔ پھر جب آپ کے پاس آیا تو اس وقت تک وہ دس درہم کما چکا تھا۔ ان میں سے کچھ کے کپڑے خریدے اور کچھ سے کھانا۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اس سے اچھا ہے کہ قیامت کے دن تیرے چہرے پر داغ نظر آئیں۔ مانگنا صرف تین افراد کے لئے روا ہے، جو شدید افلاس میں ہو یا ناقابل برداشت قرض کے بوجھ تلے ہو یا جس کے ذمہ دیت ہو اور وہ ادائیگی کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔[1] رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ رہنمائی ایسی سماجی بصیرت کی رہنمائی کرتی ہے کہ معاشرہ اور اس کے افراد اپنے موجودہ وسائل کو بہتر حکمت عملی سے استعمال کر کے خود انحصاری کی منزل پاسکتے ہیں۔

۱۱۔ فلاحی معاشرہ کے قیام کے لئے وسعت نظری کا ہونا ازبس ضروری ہے، جس کے بغیر سماجی بصیرت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ معاشرہ کے تمام افراد کے انسانی حقوق کو تحفظ اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے جس میں کسی قسم کی تفریق نہ برتی جائے۔ مدینہ منورہ کے معاشرہ میں یہودی سرداروں کی اس بدعہدی کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اپنے ماننے والوں میں یہ بصیرت منتقل کی کہ وہ مذہبی اختلاف کو کسی صورت انسانی

۱۔ ابو داؤد سلیمان بن اشعث (۲۷۵ھ)، السنن (تحقیق: محمد محی الدین عبد الحمید)، باب ما تجوز فیه المسئلة، رقم الحدیث ۱۶۴۱۔

احترام میں حائل نہ ہونے دیں۔ صحیح روایت ہے کہ حضرت قیس بن سعد اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما قادسیہ میں تھے تو ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو یہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہیں کہا گیا کہ یہ اس زمین کا باشندہ ہے یعنی مجوسی مذہب سے تعلق رکھتا ہے تو ان دونوں صحابہ کرام نے بتایا کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہو گئے اور جب آپ کو بتایا گیا کہ وہ یہودی کا جنازہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ کیا وہ انسان نہیں ہے۔[1] گویا آپ نے انسانی احترام کی اساس اور وحدت انسانیت کی معاشرتی اہمیت واضح کر کے اس کے سماجی رہنما اصول ہونے کی نشاندہی کی۔

بلا تفریق مذہب و نسل انسانی حقوق کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر یہ امر بھی معاہدہ کا حصہ بنا کہ جزیرۃ العرب کے دیگر قبائل میں سے جو قبیلہ بھی صلح کے فریقین میں سے کسی کا حلیف بنے گا تو وہ بھی صلح کی تمام دفعات کا پابند ہو گا۔ چنانچہ خزاعہ، مسلمانوں کے اور بنو بکر قریش کے حلیف کے طور پر اس معاہدہ کا حصہ بن گئے، قبل ازیں یہ دونوں غیر مسلم قبائل ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریباں تھے۔ سن ۸ ہجری میں بنو بکر کے بنو نفاثہ قبیلہ کے افراد نے خزاعہ پر شب خون مار کر بیس افراد ہلاک کر دیئے تو خزاعہ کے چالیس شہسوار عمرو بن سالم کی قیادت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حالات سے آگاہ کیا تو آپ اپنی رداء مبارک سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا (اگر میں بنو کعب پر ہونے والے ظلم کے خلاف اس طرح مدد نہ کروں جس طرح اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا دفاع کرتا ہوں تو میں اللہ کی تائید و نصرت سے محروم رہوں)، نیز آسمان پر موجود بادل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ (بنو کعب کی ضرور مدد کی جائے گی)۔ پھر آپ نے قریش کو اس معاملہ کی سنگینی کی طرف متوجہ کیا اور اپنے ایلچی کے ذریعہ قریش کے سامنے تین باتوں میں سے کسی ایک بات کو قبول کرنے کا الٹی میٹم دیا کہ خزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کی جائے یا بنو نفاثہ کے حلیف ہونے سے علیحدہ ہو جائیں یا معاہدۂ حدیبیہ کی تنسیخ کا اعلان کر دیں تو قریش کی طرف سے قرظ بن عمرو نے پہلی دو باتوں کو قبول کرنے کی بجائے معاہدہ کی تنسیخ پر رضامندی ظاہر کر دی۔[2] جس کے نتیجہ میں فتح مکہ جیسا عظیم الشان

۱- مسلم بن الحجاج، **الجامع الصحیح**، کتاب الجنائز، باب القیام للجنائز، رقم الحدیث ۹۶۱۔

۲- ابن سعد، **الطبقات الکبری**، ج ۲، ص ۱۳۴؛ البوطی، **فقه السیرۃ النبویه**، ص ۴۸۹۔

واقعہ وقوع پذیر ہوا، گویا بلا تفریق مذہب و نسل مظلوم انسانیت کے حق میں رسول اللہ ﷺ کے اقدام نے ہی فتح مبین کی راہ ہموار کی اور تاریخ میں یہ بات امر ہو گئی کہ مسلمانوں کی طرف سے مظلوم غیر مسلموں کی دادرسی نے جزیرۃ العرب کی تقدیر بدل کر رکھ دی۔

الغرض مسلم معاشرہ کی تشکیل و تعمیر میں سماجی بصیرت اور معاشرتی حکمت کو رہنما اصول کے طور پر ملحوظ رکھنے سے ہی اس کو حقیقی فلاحی معاشرہ میں تبدیل کرنے کی راہ ہموار ہوتی ہے، اسی انداز بصیرت کے سبب رسول اللہ ﷺ کو جس ملت حنیفیہ پر مبعوث کیا گیا، اس کو "سمحہ" یعنی سہل اور آسان ہونے سے تعبیر کیا گیا جس کے سبب غلو فی الدین ممنوع اور مسترد قرار پایا۔[1] کیونکہ معاشرتی صلاح و فلاح میں سماجی بصیرت کو ملحوظ نہ رکھنے سے غلو اور تطرف کے رجحانات کو تقویت ملتی ہے۔ چنانچہ ماضی میں جن اہل مذاہب نے سماجی بصیرت سے انحراف کیا تو ان کے مذاہب انتہا پسند، جمود و تنگ نظری اور سماجی پسماندگی کے نمائندہ بن کر رہ گئے۔ آج بھی بعض مسلم حلقوں میں تصلب فی الدین کو سماجی بصیرت کے منافی اور متضاد تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے سبب انسانی معاشروں میں تنگ نظری، انتہا پسندی، جمود فکری اور گروہی علیحدگی پسندی کو دین اسلام سے منسوب کر کے اس کو مطعون و مجروح کرنے کی روش، غالب علمی حلقوں کا مہلک ہتھیار بن چکا ہے۔ جس کے ذریعہ مسلم آبادیوں پر آئے دن عرصۂ حیات تنگ کیا جاتا ہے۔ ایسے میں اسلامی تعلیمات اور نبوی ہدایات اس بات کا بھرپور تقاضا کرتی ہیں کہ مسلم معاشرہ کے تمام افراد کو علم و شعور اور حکمت و بصیرت سے آراستہ کیا جائے تاکہ وہ ان کے جوش و جذبہ اور حمیت و جرأت کی درست خطوط میں رہنمائی کر سکیں اور آج کی سنجیدہ تحدیات کا درست انداز میں تجزیہ کر کے متوازن راہ عمل کی نشاندہی ہو سکے۔

۱- احمد بن حنبل (۲۴۱ھ)، المسند، عن عائشہ بنت الصدیق (تحقیق، شعیب الارنووط)، رقم الحدیث ۲۴۸۵۵۔